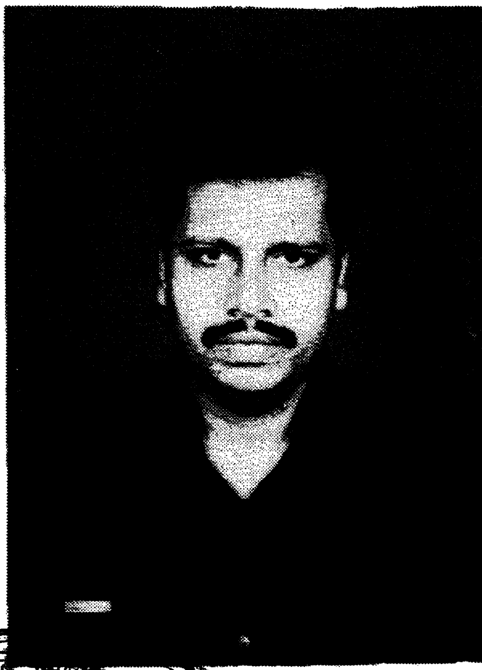
لمس کی خوشبو



آطیبؔ اعجاز
241 -9-10 رسالہ بازار، قلعہ گولکنڈہ حیدرآباد 008 500
فون نمبر 3512629

تو غم بھی دے اگر تو ترے غم میں کیا نہیں
ہے وہ خوشی حرام جو تیری عطا نہیں

اطیبؔ

نام کتاب : لمس کی خوشبو

اشاعت : پہلی بار

تعداد : ۵۰۰

سنہ اشاعت : جنوری ۲۰۰۱ء

کتابت : عدیل کمپیوٹر گرافکس، چھتہ بازار، حیدرآباد

سرورق : اطیب اعجاز

طباعت : دائرہ پریس، چھتہ بازار، حیدرآباد

مصنف و ناشر : اطیب اعجاز

یہ کتاب اردو اکیڈمی آندھرا پردیش کے جزوی مالی تعاون سے شائع ہوئی

قیمت (100) روپئے

ملنے کے پتے :-

☆ حسامی بک ڈپو مچھلی کمان حیدرآباد

☆ کمرشیل بک ڈپو چار مینار حیدرآباد

☆ کوثر ایجنسی، چھتہ بازار حیدرآباد

☆ اقبال بک ڈپو، نامپلی، درگاہ یوسفین روڈ حیدرآباد

☆ شاہ ایس ٹی ڈی، رسالہ بازار قلعہ گولکنڈہ حیدرآباد

☆ مکان نمبر 241-10-9 رسالہ بازار قلعہ گولکنڈہ حیدرآباد 008 500

فون نمبر : 3512629

دراصل...

بے عیب خدا کی ذات ہے

میں اپنی شاعری کے تعلق سے کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوں

میں جانتا ہوں کہ میں ایک طالبِ علم ہوں
اور مجھے بہت کچھ سیکھتے ہوئے ایک طویل
ادبی سفر طے کرنا ہے

اطیبؔ اعجاز
9-10-241 رسالہ بازار قلعہ گولکنڈہ حیدرآباد 008 500 اے۔پی (انڈیا)
فون نمبر 3512629 - 040

ترتیب و تزئین

محمد شاہ نواز

محمد سر فراز

محمد شہباز

اور

محمد احمد

روحی ناز

محمد حامد

مہ ناز

انتساب

میرے
رفیق و شفیق
والدین کے نام
جن کی مقدس محبتیں
میرا اثاثہ ہے
اور نصیحتیں
میری رہنمائی کرتی ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شاعرِ ایجاز و اعجاز

سچی لگن ہی آدمی کی کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے اور یہ لگن اطیبؔ اعجاز میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ انہوں نے شعر و ادب کو اس کی غنائیت کے وسیلے سے اختیار کیا ہے۔ اسی حوالے سے وہ جانے پہچانے جاتے ہیں۔ نئی بات نئے لہجے میں کہنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اس تگ و دو میں وہ شروع سے جٹے ہوئے ہیں۔ ان کے شعر عوام و خواص دونوں سے داد حاصل کرتے ہیں۔ اور وہ میڈیا کا بھرپور استعمال کرتے ہیں۔ اتفاق سے انھیں اس کے مواقع بھی دستیاب ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی تخلیقات ریڈیو کے علاوہ دوردرشن سے بھی پیش کی جاتی رہتی ہیں۔ گیت سنگیت سے دلی تعلق انھیں راس آرہا ہے۔

جہاں ان کی غزلیں اور گیت گائے جاتے ہیں وہیں ان کی نعتوں پر مشتمل ایک کیسٹ بھی مظرِ عام پر آکر عوامی مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ ان کی غزلیں شعر و ادب کی محفلوں ہی کی زینت نہیں بلکہ رسائل و جرائد کے ذریعہ ہندپاک کے قارئین سے بھی داد پاتی رہتی ہیں۔

میں یہ سب باتیں مروتاً نہیں کہہ رہا ہوں کہ یہ میرے شاگرد ہیں' کلام آپ کے سامنے ہے پڑھئے اور لطف لیجئے۔

رؤف خیر

۵ ۱۱ ۲۰۰۰ء
رؤف خیر

"غزل ایک ایسی صنف سخن ہے"

جس نے تمام اعتراضات اس خلوص کے ساتھ سہے کہ اُسے سخت جان کا خطاب حاصل ہو گیا۔ اگر اس کا باریک بینی سے جائزہ لیں تو یہ حقیقت بھی ہے' کیونکہ غزل پر ایک عالم یہ بھی گزرا کہ اسے "قابل گردن زدنی" قرار دیدیا گیا۔ لیکن غزل اپنی تمام آب و تاب کے ساتھ جس طرح کل تھی آج بھی ہے' اور اس کے چاہنے والوں میں لگاتار اضافہ ہی ہو رہا ہے۔

کہتے ہیں کہ جادو سر چڑھ کر بولتا ہے اور غزل ایسی ہی صنف سخن ہے' جو عوام کے سر چڑھ کر بولتی ہے۔ آج انتہا یہ ہے کہ غزل جسے فارسی سے مستعار لیا گیا تھا آج ہندوستان کی کم و بیش زیادہ تر زبانوں میں کہی جا رہی ہے خواہ شمال ہو یا جنوب' مشرق ہو یا مغرب' غزل اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے اور اطیبؔ اعجاز اسی گلستانِ غزل کے ایک خوشہ چیں ہیں۔

میں جہاں تک اطیبؔ کی شاعری کو سمجھ سکا ہوں وہ آج کے دور کی شاعری ہے۔ وہ اپنے تجربات کو غیر ضروری طور پر الفاظ سے بوجھل نہیں ہونے دیتے شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں الفاظ کی نشست و برخواست کے لئے بہت رکھ رکھاؤ ہے اپنے تجربے کی سچائی کو چابکدستی کے ساتھ شعر کے قالب میں ڈھالنا اطیبؔ کا خاصہ ہے۔

ٹھوکریں کھانے کی جس شخص میں ہمت ہی نہ ہو
وہ کسی راہ کو ہموار نہیں کر سکتا

کیوں تعاقب میں لگے ہو وقت کے
وقت دنیا میں بھلا کس کا ہو

یہ یا ایسے ان گنت اشعار اطیبؔ اعجاز کی شاعری کے اعجاز ہیں جو ان کو شعراء کی اس بھیڑ سے جدا کرتے ہیں جو محض تفریحِ طبع کے لئے شاعری کرتے ہیں۔ اطیبؔ نے بہت کم وقت میں نئی شاعری میں اپنی پہچان قائم کی ہے اور اگر ان کی یہی لگن برقرار رہی تو وہ ضرور غزل کی نئی شاعری کے نئے افق کو چھوئیں گے۔

شمس تبریزی (ہریانہ)

ایڈیٹر "جمناتٹ" ۱۱ر نومبر ۲۰۰۰ء

حرفِ چند

عروس البلاد حیدرآباد جو اب ہائی ٹیک سٹی کی شکل میں کانکریٹ کے جنگل میں بدل رہا ہے جہاں فقید المثال مینار و گنبد اور عالی شان تاریخی عمارتیں اور زبان اردو اور فنون لطیفہ کی جھلکیاں اور جھانکیاں دیتی ہوئی گلیاں چوبارے اور شاہراہیں موجود تھیں۔ وہاں چوڑی سڑک اور اور فلائی برج کے اژدھے پھیل گئے ہیں ایسے میں جب میں ایک مدت کے بعد اپنے وطن لوٹا تو بظاہر اچنبھے میں پڑ گیا کہ کہاں گیا میرا وہ شہر حیدرآباد' کہاں گئیں وہ دکن کی بولتی ہوئی محاوراتی گلیاں' میں انھیں سونچوں میں مدغم تھا کہ ایسے میں مجھ سے ملنے کیلئے ایک نوجوان وارد ہوا۔ بظاہر دیکھنے میں کالج کا نوجوان دکھائی دے رہا تھا آمد ملاقات واضح ہوئی تو پتہ چلا کہ وہ اپنے مجموعہ کلام کے لئے مجھ سے تاثرات قلم بند کروانے آئے ہیں۔ ایک خوف میری علالت اور میرے مزاج کا تھا۔ لیکن جوں جوں اطیبؔ اعجاز سے میری بات چیت ہوئی مزاج میں بحالی آگئی۔ اطیبؔ نوجوان سے ہٹ کر ایک شاعر کے روپ میں میرے سامنے آئے اب چونکہ ان کا کلام میرے سامنے ہے ان کی مرصع غزلیں روایات اور جدید اسلوب سے نکلی ہوئی اطیب اعجاز کی شاعری بے شک آج کے اردو شکن ماحول میں ایک معجزہ ہے۔ گنگا جمنی اردو میں ڈھلی ہوئی غزلیں عصری حسیت اور وارداتِ قلبی سے منعکس۔ آپ کے گوناگوں تخیلات مجموعہ کلام کے آئینے میں نمایاں نقوش چھوڑتے ہیں۔ جہاں آغاز شاعری اس پائے کا ہو آگے اور بھی ان کے ٹیلنٹس نمایاں ہونے کے روشن امکانات ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ کے ساتھ

ان کا یہ شعر اس سند کی دلیل ہے

زندگی تو نظر نہیں آتی
زندگی کی علامتیں ہیں بہت

دعاؤں اور نیک خواہشات کے ساتھ

علی صدیقی صدر عالمی اردو کانفرنس

حیدرآباد

حمد باریٔ تعالیٰ

ذِکر یہ صبح شام کس کا ہے
ذرّے ذرّے پہ نام کس کا ہے

مجھ کو سانسیں بھی ذکر لگتی ہیں
رگ و پے میں مقام کس کا ہے

عقل ہے دنگ ایسی باتوں پر
ایسا برتر کلام کس کا ہے

شخص سے ربطِ عکس ہے قائم
آئینہ ! فیض عام کس کا ہے

حسنِ ظاہر کے عام جلووں کا
مہکا مہکا نظام کس کا ہے

ذرے ذرے کا ہے محافظ خود
ایسا مخلص پیام کس کا ہے

آپ اپنے پہ ہے یقیں اطیبؔ
عقلِ کُل میں وہ نام کس کا ہے

نعت شریف

جہاں خاکِ پا ملے گی مجھے اَب وہاں ہے جینا
مجھے بھیج دو مدینہ مجھے بھیج دو مدینہ

جو ہے چاند اب بھی روشن رخِ پاک کی ضیا ہے
ہیں وہ نور کا ہی پیکر ہیں وہ نور کا خزینہ

کرو تر کبھی تو آقا میری حسرتوں کا دامن
کبھی چوم لوں میں جالی کبھی چوم لوں مَیں زینہ

ملے دید کا سویرا شبِ ہجر سے ہوں عاجز
ہوئی خشک خشک آنکھیں مرا تربہ تر ہے سینہ

جو دیارِ مصطفیٰؐ کو میں نظر سے چومتا ہوں
یہی عشقِ بے قرینہ ہے مرے لئے خزینہ

مجھے درد بھی ہے پیارا کروں کرب بھی گوارا
میری آرزو ہے اطیبؔ لگے پار یہ سفینہ

نعت شریف

سوئے مدینہ جانے جو تیار ہو گیا
ہر راستہ مرے لئے ہموار ہو گیا

حُبِّ نبی سے جو کوئی سرشار ہو گیا
جنت کا بے گمان وہ حق دار ہو گیا

آنکھوں کی اپنی ہو گئی معراج اُس گھڑی
جس دم نصیب آپؐ کا دیدار ہو گیا

نامِ نبیؐ کے ہونٹوں پہ آتے ہی دیکھئے
لہجہ مری زبان کا گل کار ہو گیا

ان کی رضا سے عاری ہے جو راستہ یہاں
وہ راستہ مرے لئے پر خار ہو گیا

تعظیم کو جھکا ہے جو در پر تمہارے سر
شاہاؐ وہ آج لایقِ دستار ہو گیا

اطیبؔ جو کر دیا مرے آقا نے فیصلہ
دنیا کے واسطے وہی معیار ہو گیا

نعت شریف

تصور میں خیالوں میں مدینہ ہے میرے دل میں
مداوا ہے رسولؐ اللہ کا پیغام مشکل میں

جو آئے آپؐ دنیا میں چھٹے بادل جہالت کے
اُفق مہکا شفق پھوٹی کہ آئی جانِ بسمل میں

صلہ رحمی کے شفقت کے علمبردار ہیں آقاؐ
اثاثہ یہ جو باقی ہے مسلماں کے سَدا دل میں

سَراپا آپ کا آقا تقدس ہی تقدس ہے
نہ آئے گا نہ آیا، آپ سا کوئی بھی محفل میں

تم اِمکاں کے دریچوں کو ذرا کھولو ذرا کھولو
نظر آجائے گا تم کو مدینہ اپنے ہی دل میں

تصور سے مدینے کے مہک اٹھتا ہے دل اپنا
یہ فطرت ہے ازل سے نسلِ آدم زاد کی گِل میں

یہ احساں کم ہے کیا اطیبؔ خدا کے حکم سے ہم کو
بتایا آپؐ نے، کیا فرق ہے حق اور باطل میں

نعت شریف

مِل گیا مِل گیا با خدا مِل گیا
مصطفےٰؐ کا ہمیں آسرا مِل گیا

کیا کہوں کیا کہوں مجھ کو کیا مل گیا
دیدِ احمدؐ سے بابِ عطا مل گیا

حق سے منسوب ہیں آپؐ محبوب ہیں
آپؐ سے ہم کو حق کا پتہ مل گیا

دو جہاں کی ہمیں رہنمائی ملی
صورتِ مصطفےٰؐ حق نما مل گیا

آپؐ کے امتی ہیں ہمیں ناز ہے
در ہمیں آپؐ کا مرحبا مل گیا

غرق عشقِ محمدؐ میں اطیبؔ بھی ہے
ساری دنیا سے اس کو سِوا مل گیا

نعت شریف

مِرے رب میں اتنی عطا چاہتا ہوں
مَیں حُبِّ رسولِؐ خدا چاہتا ہوں

نہ مکےّ کی وادی نہ جنّت کی کیاری
مدینے کی ٹھنڈی ہوا چاہتا ہوں

وہی میری دنیا وہی میری عقبیٰ
میں دیدارِ خیر الوریٰؐ چاہتا ہوں

تقدس پہ جس کی ہوائیں ہوں شیدا
مَیں ایسا ہی روشن دِیا چاہتا ہوں

ضرورت ہے آنکھوں کی اے طورِ سینا
مَیں خاکِ درِ مصطفٰےؐ چاہتا ہوں

مَیں اطیبؔ ہوں مجھ پر نگاہِ کرم ہو
نقوشِ قدم کی ضیا چاہتا ہوں

غزل

جو بھی کہنا ہے آ تو کہہ تُو ذَرا
تیری مرضی ہے کیا تو کہہ تُو ذَرا

بات رکھی ہے روبرو تیرے
کیا ہے اچھا برا تو کہہ تو ذرا

تو بھی لوٹے گا ساتھ میرے وہاں
کیا ہے رکھا ہوا تو کہہ تو ذرا

کون اُس کے سِوائے کرتا ہے
سَب کی حَاجت روا تو کہہ تو ذرا

جَا چکے سب بچا ہی کیا ہے اب
ایک ھُو کے سِوا تو کہہ تو ذرا

مانگنا چاہے گر تو کیا مانگے
شب سے جلتا دیا تو کہہ تو ذرا

اک ذرا روٹھنے سے پہلے مجھے
کیا ہے تیرا گلہ تو کہہ تو ذرا

بات مانیں گے آج اطیبؔ بھی
کر کے ہونٹوں کو وا، تو کہہ تو ذرا

غزل

دَراصل سیم و زر میں نہ شاخ و شجر میں ہے
جو کچھ کمال ہے تیرے دستِ ہنر میں ہے

اے دوست تیرے پیار کا سودا جو سر میں ہے
جیسے کوئی رفیق ازل سے سفر میں ہے

تشکیک کا ہے پیڑ تو گھر گھر لگا ہوا
اک اختلاف بھی تو ہَوا و شرر میں ہے

سوچو تو کچھ نہ ہونا بھی ہونا ہے اصل میں
وہ حوصلہ پرندۂ بے بال و پر میں ہے

اطیبؔ وہ کیا خریدے گا خود داریاں مری
مجھ کو جھکا دے زور کہاں اتنا زر میں ہے

غزل

روح پر چوٹ مری جب کبھی کاری آئی
ایک مرہم کی طرح رحمتِ باری آئی

کیسی گھنگھور گھٹاؤں میں سواری آئی
پھر تصور میں مرے یار کی یاری آئی

بے تحاشہ جو سماعت کا بدن کاٹ گئی
تند لہجہ لئیے الفاظ کی آری آئی

موسمِ گل میں ہمیں یاد کہاں کرتا ہے
ہاں مصیبت میں اُسے یاد ہماری آئی

اپنا اسلوب سلیقے سے سنوارا میں نے
پھر میری فکر میں الفاظ کی کیاری آئی

زیبِ تن خلعتِ اعزاز بظاہر ہے مگر
دورِ حاضر میں عجب رنگ سے خواری آئی

لمحہ لمحہ مرے احساس کو چھیڑے اطیبؔ
آہٹ آہٹ پہ مجھے یاد تمہاری آئی

غزل

پُل پُل قریب ہونے لگے پُل صراط سے
اعمال پر نگاہ رکھو احتیاط سے

تبدیل غم میں ہوتا ہے جو انبساط سے
صد شکر باز رہتا ہوں ایسے نشاط سے

سچ ہے کہ دُور دُور ہے ہر انحطاط سے
دنیا کو جس نے بھر دیا کیف و نشاط سے

کارِ جہاں کا حال نہ اب مجھ سے پوچھیے
ہر چند کھل رہی ہے کلی انبساط سے

اطیبؔ نہ ہوگا کاتبِ تقدیر سے گِلہ
پھیلاؤ پیر بڑھ کے نہ اپنی بساط سے

غزل

بیمارِ آرزو پہ توقع اثر کی ہے
یہ خوش گمانی میری نہیں چارہ گر کی ہے

میں علم و آگہی کا پیمبر نہیں مگر
مٹھی میں میری بند وراثت ہنر کی ہے

دستار کو گنوائے ہمیں مدتیں ہوئیں
اب اور کوئی فکر اگر ہے تو سر کی ہے

کن منزلوں سے جانے گزر کر وہ آئے ہیں
چہرے پہ ہاتھ پاؤں پہ مٹی سفر کی ہے

وقتِ وداع دیکھا تھا اس نے جو پیار سے
لپٹی ہوئی وجود سے خوشبو سفر کی ہے

اس بار میرے ساتھ سفر میں کوئی نہیں
کچھ ہے تو یاد بچھڑے ہوئے ہمسفر کی ہے

اطیبؔ وہی ہوں میں وہی آوارگی مری
زنجیر پاؤں میں پھر اسی رہ گزر کی ہے

غزل

اَے متاعِ کیف و مستی تیری آرزو عجب ہے
کبھی راحتوں کے نغمے کبھی خواب جاں بلب ہے

یہ زمین یہ علاقے ہیں بٹے ہوئے جو سارے
کہیں ذات اور مذہب تو کہیں حسب نسب ہے

یہ نگاہ کب سے میری ہے عنایتوں پہ تیری
میری زندگی کا حاصل کہاں عارضی طرب ہے

ہے دیارِ فکر میں پھر وہی حرف، حرفِ آخر
جسے سن کے شیخ برہم، کہاں بات بے سبب ہے

یہ حیات یہ مناظر ہیں سبھی یہ میری خاطر
میں وہی ہوں لفظِ آدم میرا نام ہی لقب ہے

نئے گل کھلے ہیں جتنے سبھی خار کی ہیں زد میں
ملے یاس کو جو ساحل وہی جلوۂ طرب ہے

ہے یہ بات اور زاہد کہ سمجھ سکے نہ اطیبؔ
ہاں مگر یہ لفظِ انساں اک ادارۂ ادب ہے

غزل

اَے لہجۂ یقین تو اِظہار بَن کے آ
میرے لبوں پہ اک نئی جھنکار بن کے آ

للکار بن کے آ کبھی تلوار بن کے آ
شعلہ نوائے وقت کی رفتار بن کے آ

دنیا کے واسطے کوئی معیار بن کے آ
محفل میں تو بھی صاحبِ کردار بن کے آ

کشتی ہماری یاد کے ساحل سے دُور ہے
اب تو خیالِ یار تُو پتوار بن کے آ

دے کر دلاسا دُور سے جاتا ہے روز کیوں
میرے مسیحا تو کبھی غمخوار بن کے آ

کیسا سکوت چھایا ہے دریا میں ہر طرف
اے موجِ شوق تو کبھی منجدھار بن کے آ

سب کے دلوں میں پانا ہے تجھ کو جگہ اگر
اطیبؔ خلوص اور وفا' پیار بن کے آ

غزل

ابھی ہو رہی ہے بارش ذرا ٹھیر جاؤ جانا
کروَ مجھ پہ اک نوازش ذرا ٹھیر جاؤ جانا

ملیں بعد مدتوں کے یہ حسیں مِلن کی گھڑیاں
کرے رات اب نہ سازش ذرا ٹھیر جاؤ جانا

مرے دل کو توڑ کر تم کہاں چین پا سکو گے
کرو تم نہ ایسی لَغزش ذرا ٹھیر جاؤ جانا

کہیں ہو نا جاو رسوا ذرا دیکھ کر سنبھل کر
ابھی پاؤں میں ہے گردِش ذرا ٹھیرِ جاؤ جانا

یوں ہی پاؤں چومتی ہیں کہ برس رہی ہیں بوندیں
کرو اِن کی بھی ستائش ذرا ٹھیر جاؤ جانا

مری بات مت سنو تم مجھے غم نہیں ہے اطیبؔ
مرے دل کی ہے یہ خواہش ذرا ٹھیر جاؤ جانا

غزل

دشت و کہسار میں گم ہو کے غزل کہتا ہوں
شہرِ افکار میں گم ہو کے غزل کہتا ہوں
لب و رخسار میں گم ہو کے غزل کہتا ہوں
میں تیرے پیار میں گم ہو کے غزل کہتا ہوں

چاندنی رات میں اک چاند سے چہرے کی قسم
گیسوئے یار میں گم ہو کے غزل کہتا ہوں

میں نے خوشیوں کی تمنا ہی میں کھویا سب کچھ
غم کے سنسار میں گم ہو کے غزل کہتا ہوں

پیکرِ ناز پہ ٹکتی نہیں نظریں پھر بھی
پرتوِ یار میں گم ہو کے غزل کہتا ہوں

تیری یادوں کے سہارے شبِ تنہائی میں
حالتِ زار میں گم ہو کے غزل کہتا ہوں

میری تحریر کے الفاظ ہیں روشن تجھ سے
تیرے انوار میں گم ہو کے غزل کہتا ہوں

کم کہاں ہو گا میرا درد تسلّی سے تری
راہِ پُر خار میں گم ہو کے غزل کہتا ہوں

دن گزر جاتا ہے دہلیز پہ غم کی اطیبؔ
اور شبِ تار میں گم ہو کے غزل کہتا ہوں

غزل

ویراں چمن کی ڈالی موسم سے بے خبر تھی
پھلنے کی دل میں خواہش بے خوف و بے خطر تھی

دنیا زمیں ہے جس کی میں وہ گھٹا ہوں پیاسی
جو بُوند بُوند ترسی جو حرفِ تر بہ تر تھی

رشتے جنوں کے سارے جذبات سے جڑے ہیں
دنیا سدا سے میری دِھیرج کی رہ گزر تھی

آنگن کا میرے دیپک روشن نہیں ہے کوئی
اس ذہن میں تو زندہ اک شمعِ بے شرر تھی

کیوں کر فساد نے بھی اوڑھا تھا تیرگی کو
مقتل تو بند تھے سب یک صورتِ دگر تھی

صورت خلوص کی تھی اندر فریب سا تھا
خشکی پہ تھے درندے پانی میں بھی "مگر" تھی

بے نام تھے وہ سائے چہرے بھی تھے پرائے
اطیبؔ خدا ہی جانے وہ کونسی ڈگر تھی

غزل

جانے کیوں رو پڑا نہیں معلوم
کون ہمدرد تھا نہیں معلوم

بھائی دشمن ہے آج بھائی کا
کیا ہے یہ ماجرا نہیں معلوم

فکرِ منزل کرے گا وہ جس کو
فاصلہ راہ کا نہیں معلوم

بات صدیوں کی بن گئی پل میں
دی ہے کس نے دعا نہیں معلوم

ڈھیر سا لگ گیا ہے لاشوں کا
کون قاتل ہے، کیا نہیں معلوم؟

چہرے مہرے سے کچھ نہیں کھلتا
کس کے دل میں ہے کیا نہیں معلوم

چھوڑ کر رنجشیں میں آ تو گیا
کیا ملے گا صلہ نہیں معلوم

دَرد ہی دَرد ہے یہاں اطیب
کیوں چلا سلسلہ نہیں معلوم

غزل

نظر نظر میں خمارِ شراب رکھ دینا
نظر نواز نظاروں میں خواب رکھ دینا

یہی کمال مِرے دل کو بھا گیا تیرا
میرے سوال سے پہلے جواب رکھ دینا

خوشی کی ریت پہ غم کا حسین پودا ہے
کہ آبیاری کو اس کی سراب رکھ دینا

جلا چکا ہوں دیا پیار کا میں جانِ جاں
تم اپنی چاہ کا اس پر حباب رکھ دینا

جفائیں کرنا ہے مجھ سے تو کر مگر پہلے
مِری وفاؤں کا لکھ کر حساب رکھ دینا

اگر گزر ہو ادھر سے ترا کبھی اطیبؔ
ہماری نیند کے دامن میں خواب رکھ دینا

غزل

گم روایت کی جونہی اک اک کڑی ہونے لگی
چہرے چہرے سے عیاں بے چہرگی ہونے لگی

رفتہ رفتہ زندگی اب زندگی ہونے لگی
"جلوہ گاہِ دل میں جب سے روشنی ہونے لگی"

کون آکر دے رہا ہے یہ تصوّر میں صدا
اس صدائے بے نَوا سے بے کلی ہونے لگی

خوف کا خنجر نہ ہم کو کر سکا گھائل کبھی
عزم اور وجدان سے منزل رسی ہونے لگی

رنگ، تتلی، پھول، خوشبو، چاند، تارے اور شفق
سب میں ظاہر اک تری جلوہ گری ہونے لگی

اس کی باتیں اس کا لہجہ اس کے دَعوے کھو گئے
زَر خریدہ گرمی اب جو شبنمی ہونے لگی

اک تذبذب ہے کریں کیا الجھنیں بھی بڑھ گئیں
لب پہ ہے اقرار لہجہ سے نفی ہونے لگی

کل جو روٹھا آج مانا اور روٹھا پھر سے وہ
آج اطیبؔ دوستی بھی موسمی ہونے لگی

غزل

یُوسف غلامِ ہو کے‘ غلامِ ہوا نہ تھے
حالات سازگارِ زلیخا ذرا نہ تھے

کل شب ہمارے ہوش بہت بے ٹھکانہ تھے
بجلی کے ساتھ ساتھ سرِ آشیانہ تھے

ماں کی دعائیں لے کے جو رخصت ہوا ہوں میں
جنت کا جیسے مول تھے‘ حرفِ دعا نہ تھے

اَورَاق کہہ رہے ہیں یہ تاریخ کے جناب
وہ سرخرو ہوئے جو اسیرِ انا نہ تھے

مانا کہ پچھلی قوموں میں بدکار تھے بہت
اس دور کی طرح تو حریفِ خدا نہ تھے

سانسوں کے سائبان میں تھک کر میں گر پڑا
اس ریگ زار ہی میں کہیں نقشِ پا نہ تھے

پانسہ پلٹ کے رکھ دیا اعمالِ بد نے آج
حاکم تھے رہنما بھی تھے ہم لوگ کیا نہ تھے

ہوتے ہی صبح کیسے ہوئے شہر کے رئیس
کل رات تک تو آپ بھی محتاجِ دانہ تھے

تم کیا گئے کہ دنیا ہی سُونی سی ہو گئی
اطیبؔ کے خواب بھی کبھی بے آسرا نہ تھے

غزل

خوابوں میں کب سے تاج بسا ہے بسا مگر
ملتا نہیں ہے یارو کہیں آگرہ مگر

قاتل بھی ہم مزاج مسیحا بھی ہم مذاق
پھر بھی ہماری آنکھ نہ جھپکی ذرا مگر

طوفاں کا رخ تو موڑ دیا میرے عزم نے
موجیں تو سر پٹکتی ہیں ساحل پہ آ مگر

خاک اپنی آنسوؤں کی رَوانی میں بہہ گئی
آئی نہ راس شہر کی ہم کو ہَوا مگر

زَخمی نہ کر سکا ہمیں وہ خنجرِ وفا
اس بے وفا کا راز ہمیں پر کھلا مگر

بے نام سایوں کی تھی وہاں بھی چہل پہل
میرے جنوں نے دی تھی صدا پر صدا مگر

اہلِ چمن سے پوچھئے اطیبؔ الگ الگ
کیوں رنگ و بو ہیں غنچہ و گل سے جدا مگر

غزل

لکھنؤ دہلی اور پونہ گیا
اے دکن دل سے میرے تو نہ گیا

ہارنے پر بھی حوصلے ہیں بلند
اور مرا ذوقِ جستجو نہ گیا

خوب واعظ شراب خوری ہے
اللہ، اللہ، اللہُ نہ گیا

وقت نے بھر دیئے ہیں زخم مگر
ذہن سے طعنۂ عدو نہ گیا

ہم نہیں جائیں گے یہاں سے کہیں
اپنا اندازِ آبجو نہ گیا

سارے منظر تو کھو چکے کب کے
پھر بھی یہ شوقِ آرزو نہ گیا

معرکہ سر ہوا وہی اطیبؔ
جس میں ماہر وہ جنگجو نہ گیا

غزل

جو تم ملے تو ہوا اِس طرح مُنور میں
اٹھا ہوں جیسے اندھیری رُتوں میں سو کر میں

بھلا ہوا کہ جو تم مِل گئے ابھی ورنہ
لگانے والا تھا قسمت کو آج ٹھوکر میں

زمینِ فکر یہ' یونہی کہاں نکھرتی ہے
اسے سنوارتا ہوں حرف حرف بُن کر میں

روایتوں کا اگر پاس کچھ نہیں ہوتا
بدل ہی دیتا دماغوں سے سارے منظر میں

مجھے زمانے کے بارے میں کچھ نہیں معلوم
حصارِ ذات سے نکلا کبھی نہ باہر میں

مرا وجود اگر آج اک عمارت ہے
کل اپنے ملبے میں دب جاؤں گا بکھر کر میں

سخن وری پہ انہیں ناز ہے تو رہنے دو
گھمنڈ کرتا نہیں اپنی شاعری پر میں

خدا کے سامنے کس منہ سے جاؤں گا اطیبؔ
اسی خیال سے خائف رہا ہوں اکثر میں

غزل

دل تڑپ اٹھا انھیں مائل بہ احساں دیکھ کر
ہو گئے آنسو رواں پھر ان کا داماں دیکھ کر

آئینے کی آئینہ داری کو آخر کیا ہوا
مسکرائے جا رہا ہے مجھ کو حیراں دیکھ کر

پھول اس کی گفتگو کے یاد آتے ہیں مجھے
گلستانوں کی فضاؤں کو گل افشاں دیکھ کر

کھیلنا اچھا نہیں ہے کھیل یارو عشق کے
کر نہ دے یہ آپ کی ہستی کو ویراں دیکھ کر

آج کے ماحول کا اندازہ اس سے کیجئے
ہنس رہا ہے آج انسانوں کو شیطاں دیکھ کر

کر نہ دے مجروح مجھ کو آپ کی یہ شوخیاں
جانِ جاناں' جانِ جاناں' جانِ جاناں' دیکھ کر

تو نے اطیبؔ کی نگاہوں کو مسخر کر لیا
اب کسے دیکھوں ترا روئے درخشاں دیکھ کر

غزل

ہے زندگی مرے بس میں بھی بس کے باہر بھی
یہ دسترس میں بھی ہے دسترس کے باہر بھی

دل و دماغ ہیں احساس کے شکنجے میں
عجیب قید ملی ہے قفس کے باہر بھی

حیات چھوٹ چکی ہے بدن کے پنجرے سے
رواں ہے زندگی بابِ نفس کے باہر بھی

غلامی نفس کی اک روز چھوڑ کر دیکھو
بڑے مزے ہیں دیارِ ہوس کے باہر بھی

مِرے شعور کے اندر ہے ایک سناٹا
نگاہ چیخ رہی ہے نفس کے باہر بھی

ہزار دائرے ابھرے گماں کے پردے پر
یقین ہی تو ملا پیش و پس کے باہر بھی

ہمیشہ اپنے ہی اندر ملا مجھے اطیبؔ
جسے میں ڈھونڈوں برس دو برس کے باہر بھی

غزل

لگتا ہے ایسا چہرے سے عالی جناب کے
اوراق سارے کورے ہیں دل کی کتاب کے

نظروں میں جب سے بھر گئے منظر عذاب کے
اب سارے کام کرتے ہیں قبلہ ثواب کے

پی کر ہی دیکھ لیتے کسی روز ناصحو
کیا کیا تعلقات ہیں شر سے شراب کے

کچھ تو حقیقتیں بھی فسانوں میں ڈھل گئیں
اور کچھ تو ہم بھی ہو گئے خوگر سراب کے

رخ سے نقاب ہٹتے ہی کیسا غضب ہوا
اس نے اڑا دیئے ہیں پرخچے گلاب کے

ان انگلیوں کے لمس کا اعجاز دیکھئے
کھلنے لگے ہیں بند دریچے گلاب کے

اطیبؔ یہ رنگ کب تھے بھلا حسنِ یار میں
ہیں معجزے مری نظرِ انتخاب کے

غزل

آہٹ ہے نہ دل میں کوئی ہلچل کئی دن سے
آنکھوں سے ہے وہ یار جو اوجھل کئی دن سے

مدت سے مری یاد کے جگنو نہیں چمکے
پھیلا نہیں اُس آنکھ کا کاجل کئی دن سے

صحرائے نفس میں ہے ترا درد فروزاں
ہے خشک لب' احساس بھی جل تھل کئی دن سے

کیا جانے معطر ہوئے کس طرح دل و جاں
مہکا بھی نہیں یاد کا صندل کئی دن سے

جس پل مری آنکھیں ترے جلوؤں میں مگن تھیں
لوٹا نہیں اے دوست وہی پل کئی دن سے

حیران ہے امید، پریشان ہے حسرت
چھایا نہ مرے دشت پہ بادل کئی دن سے

چپ ہوتی نہیں فکر کی جادو بھری آواز
جھنکار جگاتی ہے یہ پائل کئی دن سے

آنکھوں نے کئی طرح کی قربانیاں دی ہیں
پھر بھی نہ ہوا خواب مکمل کئی دن سے

ممتا کی گھنی چھاؤں کا احسان ہے اطیب
ہے سایہ فگن سر پہ جو آنچل کئی دن سے

غزل

چھوٹی چھوٹی قیامتیں ہیں بہت
زندگی کم ہے آفتیں ہیں بہت

روح پر انجماد طاری ہے
اور بدن میں حرارتیں ہیں بہت

کم ہے گنجائشِ الم دل میں
دوستوں کی عنایتیں ہیں بہت

مفلسی تنگ دامنی کا شکار
ہر قدم پر سخاوتیں ہیں بہت

زہر دل میں بھرا ہوا ہے مگر
گفتگو میں حلاوتیں ہیں بہت

زندگی تو نظر نہیں آتی
زندگی کی علامتیں ہیں بہت

تجھ کو نفرت کا خوف کیا اطیبؔ
تیرے دامن میں چاہتیں ہیں بہت

غزل

اگر رُوح میں ناتوانی نہیں ہے
تو پھر زندگی تیری فانی نہیں ہے

مجھے تم کو لوری سنانی نہیں ہے
میاں شاعری ہے کہانی نہیں ہے

وہاں اس کی رحمت یہاں ماں کی ممتا
کہیں بھی مجھے بے مکانی نہیں ہے

دکن، لکھنؤ ہو کہ دِلّی، کراچی
غزل کی کہاں حکمرانی نہیں ہے

بڑا نرم خو ہے، بڑا نیک سیرت
یہ مانا کہ وہ خاندانی نہیں ہے

حسیں ہو مگر دل وفا سے ہے عاری
وہ دریا ہو تم جس میں پانی نہیں ہے

وطن سے محبت نہیں جس کو اطیبؔ
وہ کچھ بھی ہو ہندوستانی نہیں ہے

غزل

مجھ کو سوغاتِ غم آپ کی چاہیئے
جو نہ کھوئے کبھی وہ خوشی چاہیئے

میری آنکھوں کو ہے آنسوؤں کی طلب
اور اس کے لبوں کو ہنسی چاہیئے

ہنسنے والے تو ہنستے رہیں گے سدا
ہنسنے والوں کو غم آگہی چاہیئے

غم شناسا ہوں میں میرا انداز ہے
مجھ کو صدقے میں غم کے خوشی چاہیئے

اشک لاتی ہے جو دل دکھاتی ہے جو
میرے محبوب وہ بے رخی چاہیئے

تجھ کو پا کر اگر کم ہو چاہت مری
تو مجھے ہجر کی بے کلی چاہیئے

دل کے ایوان میں عمر بھر جو رہے
ایسی تصویر مجھ کو تری چاہیئے

دل کی دنیا میں اطیبؔ عجب شور ہے
جاں کی تسکین کو خامشی چاہیئے

غزل

پیار ہم کو ہوا ہے کیا کیجئے
انتظارِ وفا ہے کیا کیجئے

جام و مینا کی اب نہیں حاجت
بے خودی کا نشہ ہے کیا کیجئے

کون سنتا ہے شور ہے ہر سو
بے صدا سی صدا ہے کیا کیجئے

کوئی فرہاد، کوئی مجنوں ہے
اپنی اپنی ادا ہے کیا کیجئے

بے رخی اس کی کم نہیں ہوتی
یہ بھی اک مسئلہ ہے کیا کیجئے

چھوٹتا ہی نہیں ہے یہ چسکا
غم میں بھی اک مزا ہے کیا کیجئے

ان کی زلفوں کے پیچ و خم میں یہ
ذہن الجھا ہوا ہے کیا کیجئے

کتنا معصوم ہے یہ دل میرا
آپ خود ہی لٹا ہے کیا کیجئے

لفظ ''ممتا'' ہے نور کا پیکر
جیسے روشن دیا ہے کیا کیجئے

حسن والوں کی دھوم ہے اطیبؔ
ان کو سب کچھ روا ہے کیا کیجئے

غزل

اپنے لہجے کو جو تلوار نہیں کر سکتا
عزمِ باطل کو وہ مسمار نہیں کر سکتا

دسترس جس کو خوشی پر ہے نہ قابو غم پر
وہ کسی ذات کو سرشار نہیں کر سکتا

ٹھوکریں کھانے کی جس شخص میں ہمت ہی نہ ہو
وہ کسی راہ کو ہموار نہیں کر سکتا

اپنی آنکھوں سے تیرا نقشِ کفِ پا چھونا
یہ گنہ مجھ سا گنہ گار نہیں کر سکتا

متفق تو نہیں اے دوست تری بات سے میں
چاہ کر بھی مگر انکار نہیں کر سکتا

میں سخنور ہوں، تیری کم سخنی کے آگے
اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر سکتا

دور جیسا بھی ہو ہر دور میں اطیبؔ دیکھو
کوئی ایسا بھی ہے جو پیار نہیں کر سکتا

غزل

جان دے گا نہ کوئی کسی کے لئے
بول دیتا ہوں سب آگہی کے لئے

ایک اک گل کی خوشبو بکھر جائے گی
چھوٹ ہے سب قضا کی گھڑی کے لئے

ایک لمحہ بڑا ہے وہ اک عمر سے
سر جھکاؤں جو تیری خوشی کے لئے

سب پہ ہوتا نہیں اعتماد و یقیں
جان دیتے نہیں ہر کسی کے لئے

تمتماتی کلی شاخِ گل ' شامِ دل
منتظر ہے شبِ شبنمی کے لئے

سہمے چہروں کا منظر نظر میں لئے
کوئی پھرتا ہے اک اک خوشی کے لئے

شاد ہوں میں تو اطیبؔ غموں سے یہاں
کس نے مانگی دعا اب خوشی کے لئے

غزل

کمی کیا ہے مجھے یہ بھی جہاں وہ بھی جہاں میرا
زمیں میری فلک میرا مکیں میرا مکاں میرا

میں اس کو ڈھونڈتا پھرتا ہوں آوازوں کے جنگل میں
کہیں گم ہو گیا ہے وہ قرارِ جسم و جاں میرا

اے ابن الوقت تو لالچ نہ دے مجھ کو ستاروں کا
مری دھرتی ہی میرے واسطے ہے آسماں میرا

بڑی غفلت سی برتی جا رہی ہے آبیاری میں
اُجڑتا جا رہا ہے دھیرے دھیرے گلستاں میرا

خدایا اپنی رحمت کے اجالے بخش دے مجھ کو
کہ اب معدوم ہوتا جا رہا ہے ہر نشاں میرا

محافظ ہے خدا میرا نہیں ہے فکر کچھ اطیبؔ
زمانہ بھی جو چاہے ہو نہیں سکتا زیاں میرا

غزل

اس کی تصویر جلا دی ہم نے
اپنی آنکھوں کو سزا دی ہم نے

خواب کے پیڑ وہاں جلتے ہیں
دیکھ لی نیند کی وادی ہم نے

تیرے وعدے پہ بھروسہ کر کے
رات آنکھوں میں بِتادی ہم نے

شہر میں کوئی محبت نہ کرے
آج کر دی یہ منادی ہم نے

اس کی آنکھوں میں بسالی دنیا
پیاس نظروں کی بجھادی ہم نے

داغ چاہت کے چھپانے کے لئے
اوڑھ لی جسم پہ کھادی ہم نے

کر کے انصاف عدو سے اپنے
اس کی گردن ہی جھکا دی ہم نے
راہ سے قوم کو بھٹکاتے ہیں
پائے ہیں ایسے بھی ہادی ہم نے
اس قیامت سے محبت کر کے
اپنی تاریخ بنادی ہم نے
سوزشِ غم کی شرر باری سے
"آگ زنداں میں لگادی ہم نے"
اپنے سینے میں بسا کر اس کو
غم کی تقدیر جگا دی ہم نے
عصرِ حاضر میں بھی دیکھے اطیبؔ
کچھ روایات کے عادی ہم نے

غزل

گل گلشنِ ہستی میں میری ایسا کھلا ہے
چاند اپنی زمیں چھوڑ کے آ مجھ میں بسا ہے

نس نس میں سمائی ہوئی جو مجھ میں وفا ہے
یہ رنگ ازل سے میری فطرت میں بھرا ہے

کیا خوب تیرے شہر کی یہ آب و ہوا ہے
باقی ہے محبت ابھی آنکھوں میں حیا ہے

قسمت پہ ہی تکیہ نہ کرو وقت بُرا ہے
تقدیر بدل دے گا خدا شرط دعا ہے

کیا غم ہے پہنچ پر جو میری پہرا لگا ہے
آنکھوں میں بسا کر تو تمہیں قید کیا ہے

سانسوں کو شکایت ہے کہ رستہ نہیں ملتا
دنیا کا یہ سینے میں جو انبار پڑا ہے

گو عابد و زاہد نہیں جنت کا ہے طالب
اطیبؔ کا اثاثہ تو فقط ماں کی دعا ہے

غزل

وقت کا پیڑ جہاں چھاؤں گھنی دیتا ہے
رخ جو بدلے تو وہیں دھوپ کڑی دیتا ہے

وقت جو روٹھے تو دنیا لگے دوزخ جیسی
وقت مسکائے تو جنت کی چھبی دیتا ہے

اچھے اچھوں کو یہ کر دیتا ہے محتاج کبھی
دینے پر آئے تو بن مانگے یونہی دیتا ہے

وقت کی آنکھ سے بچ پایا نہ ہرگز کوئی
جب بھی دیتا ہے چنوتی یہ کڑی دیتا ہے

وقت قارون کو کر دیتا ہے مفلس یکسر
وقت جو چاہے تو مفلس کو خوشی دیتا ہے

تنگدستی ہے مقدر میں تو سنیے صاحب
لاکھ چیخئے گا مگر وقت وہی دیتا ہے

وقت نے ہر کس و ناکس کو دیا ہے مرہم
اور یہی وقت ہے جو زخم کئی دیتا ہے

اب یہ مرضی تری گل چن لے کہ کانٹے بھر لے
دینے والا جو ہے دامانِ تہی دیتا ہے

وقت تو ایک ذریعہ ہی ہے اطیبؔ ورنہ
وقت کے ہاتھ سے اللہ غنی دیتا ہے

غزل

پھر اسے کھینچ لیا شوق نے مشکل کی طرف
ڈوبنے والے نے دیکھا تو تھا ساحل کی طرف

اپنی مرضی سے جھکادوں میں جبیں کو کیسے
جب کہ مائل ہی نہیں عقل مری دل کی طرف

لے کے اندازِ سحر آئے اندھیرے دل میں
اور دل بڑھتا رہا اک نئی مشکل کی طرف

جب سے ٹوٹا ہے بھرم میری انا کا ساقی
زندگی اور بڑھی جائے مراحل کی طرف

ذہن میں ہو جو تعصب تو وہ چل پڑتا ہے
شبِ تاریک کے دھندلے سے سلاسل کی طرف

سوچنے لگتی ہے ہر آنکھ نہ جانے کیا کیا
جب بھی پڑتی ہے وہ دنیا کے مشاغل کی طرف

موت کی فکر سے اڑ جاتی ہیں نیندیں اطیبؔ
خواب لے جائے کسی نقشۂ بسمل کی طرف

غزل

چاند تاروں کی آس مت کرنا
حسرتوں کو اداس مت کرنا

موت منظور کر مگر اے دل
زندگی زیرِ یاس مت کرنا

سب کو دے جو گناہ کی دعوت
زیبِ تن وہ لباس مت کرنا

خود سے بہتر نہیں ہے کوئی یہاں
آپ ایسا قیاس مت کرنا

دھڑکنو، دل میں سو رہا ہے کوئی
شور تم دل کے پاس مت کرنا

چپ ہی رہنے میں ہے بھلا یارو
بزم میں ذکرِ یاس مت کرنا

حد سے آگے کی سوچ کر دل میں
زندگانی اداس مت کرنا

ٹھیس اطیبؔ انا کو پہونچے گی
غیر سے التماس مت کرنا

غزل

کل بھی تھا آدمی آج بھی آدمی
اور کل بھی رہے گا یہی آدمی

تیرگی آدمی روشنی آدمی
غم کا پیکر ہے اور ہے خوشی آدمی

بن گیا ہے وہی آدمی آدمی
علم کی جو رکھے آگہی آدمی

کہنے سننے کو اب اور رکھا ہے کیا
آدمی، آدمی، آدمی، آدمی،

ایک ہی شخص کے دونوں پہلو ہیں یہ
خشک موسم ہے اور شبنمی آدمی

شاذ و نادر ہی مخلص کوئی ہو تو ہو
ملتے ہیں ہر قدم مطلبی آدمی

ایک ہی نسل کے کتنے ٹکڑے ہوئے
مشرقی آدمی مغربی آدمی

آج اطیبؔ کہو اس سے بڑھ کر ہے کیا
گمرہی آدمی، آگہی آدمی

غزل

اپنے کوزے سے تو وحدت کی پلا دے ساقی
تشنگی کو میری انمول بنا دے ساقی

موت کا طرز نہ جینے کی ادا دے ساقی
عزم موجوں کا جوانی کا نشہ دے ساقی

ہے جو لازم ہی تو دنیا میں سزا دے ساقی
روزِ محشر رہوں بے داغ جِلا دے ساقی

پھر مرے شہر کو پھولوں کا بنا دے ساقی
سارے ذہنوں کو تعصب سے بچا دے ساقی

یہ کرشمہ بھی ہمیں آج دکھا دے ساقی
فتنہ پرور کو سر عام سزا دے ساقی

تیری مرضی ہے جزا دے کہ سزا دے ساقی
میں یہ کہتا نہیں تو مجھ کو صِلہ دے ساقی

آج اطیبؔ کو گناہوں کی تلافی کے لئے
راہ توبہ کی تو اک بار دکھا دے ساقی

غزل

تو دور رہا مجھ سے حضر میں نہ سفر میں
رہتا ہے ترا حُسن جہاں جاؤں نظر میں

انسان کے معیار پہ پورا جو اتر جائے
ڈھونڈھے سے بھی ملتا نہیں وہ شخص نگر میں

محلوں کے حسیں خواب دکھاتا ہے جو سب کو
رہتا ہے وہی دوستو' اک ریت کے گھر میں

انسان نما وحشی کروڑوں تو ہیں لیکن
انسان بہت کم ہیں قلی تیرے نگر میں

دھوکے ہیں کہیں بغض و حسد ہے کہیں خوں ہے
کیا کیا ہے مرے شہر ترے دامنِ تر میں

آنکھیں ہے خزانہ تری اور تو ہے سمندر
ملتے ہیں مجھے لعل و گُہر تیری نظر میں

یہ دورِ ترقی ہے نئی طرز کا اطیبؔ
رہتے ہیں یہاں پھول بھی کانٹوں کے اثر میں

غزل

حرص و ہوس کی آگ نے جھلسا کے رکھ دیا
لالچ کی سخت دھوپ نے مرجھا کے رکھ دیا

خوشیوں کے پنکھ کٹ گئے چھائیں اداسیاں
تختہ ہی گھر کا وقت نے پلٹا کے رکھ دیا

چھائی ہوئی ہے تیرگی ذہنوں پہ اس طرح
ماں اس نے اپنا چھاؤں میں لے جا کے رکھ دیا

بھوکے غریب بچوں نے لے لے کے سسکیاں
بے بس اداس ماں کو بھی تڑپا کے رکھ دیا

یوں تو سکون بخش تھی اطیبؔ یہ زندگی
روٹی کے ایک لقمے نے الجھا کے رکھ دیا

غزل

دیکھ کر وہ اِدھر دیکھتے رہ گئے
ہم اُدھر دیکھ کر دیکھتے رہ گئے

پیڑ نفرت کا پھل ہی گیا دوستو
رہنما ' چارہ گر دیکھتے رہ گئے

ٹوٹتی شب کا وہ آخری مرحلہ
سارے تارے قمر دیکھتے رہ گئے

اب خدا ہی رکھے ان کے محفوظ گھر
جو میرا جلتا گھر دیکھتے رہ گئے

سب پہ کرتے ہو تم اپنی چشمِ کرم
ہم تمہاری نظر دیکھتے رہ گئے

جیت اس کی ہوئی سب سے کمتر تھا جو
سارے اہلِ ہنر دیکھتے رہ گئے

پاؤں منزل پہ اطیبؔ نے جب رکھ دیا
سب کے سب ہمسفر دیکھتے رہ گئے

غزل

سفر حیات کا کوئی کٹھن سفر بھی نہیں
بھٹکتے کیا کہ یہ رستہ تو پر خطر بھی نہیں

جہاں کہیں ترے نقشِ قدم نہیں مِلتے
وہ منزل اپنی نہیں ہے وہ رہ گزر بھی نہیں

سہارا اپنا میں کس کو کہوں یہاں آخر
بجز تمہارے جہاں میں، مراد گر بھی نہیں

یہاں وہاں نہیں جُھکتی کبھی جبیں اپنی
تمہارے در کے سوا اپنا کوئی در بھی نہیں

میری تلاش کو منزل کی آگہی دیدے
میں کس مقام پہ ٹھہرا ہوں کچھ خبر بھی نہیں

یہ تیرے خط میں ہے کاغذ سفید کیا اطیبؔ
جو نظم و نثر نہیں ہے اگر مگر بھی نہیں

غزل

رِجھا سکا نہ کوئی حُسن اور جمال مجھے
کہ بے نیازی نے رکھا ہے یوں نہال مجھے

انا نیت سے وہ کہتا ہے جامِ جَم خود کو
قرار دیتا ہے جو ساغرِ سِفال مجھے

شکستِ فاش ہی دیتا ہوں سب غموں کو میں
اسیرِ غم نہیں کرتا کوئی خیال مجھے

اسی کو کہتے ہیں قسمت کا مہرباں ہونا
بنا لیا ہے اسی نے تو یرغمال مجھے

میں سچ کا عادی ہوں سچ ہی کہوں گا ہر صورت
مقام دل میں دے یا بزم سے نکال مجھے

ہزار ڈھونڈیئے ملتا نہیں جواب اس کا
بغیر وا کیئے لب، دے گیا سوال مجھے

میں مانگتا ہی نہیں جا کے غیر سے اطیبؔ
اِسی لئے کبھی ہوتا نہیں ملال مجھے

غزل

رہتے نہیں ہیں ہم کسی شان و گمان میں
کیسی خودی کہاں کی انا اِس جہان میں

نکلیں تو خود تلاش لیں منزل کو آپ ہی
رکھتے ہیں ایسے تیر بھی اپنی کمان میں

پھر آج خالی لوٹوں گا کیسے خدا بتا
تکتے ہیں بھوکے بچے مری رہ مکان میں

سب کو حیات ملتی ہے مرنے کے واسطے
رہنا ہے کس کو کون رہیگا جہان میں

وہ کیا کسی کو مارتا ہم سے سنو میاں
نقلی تھے سارے تیر تو اس کی کمان میں

کیسے خلوص بانٹتا نفرت کے دیس میں
اطیبؔ، اُگے ہیں کانٹے جو سب کی زبان میں

غزل

غم نہیں گھر بستیٔ قاتل میں ہے
خوٗ ' اُخوت کی ہماری گِل میں ہے

کیا ادائے پُر اثر قاتل میں ہے
جان لینے کی تمنا دل میں ہے

ہم کہاں پلٹیں گے اپنی بات سے
تیغ بھی گر قبضۂ قاتل میں ہے

دُوریاں کرنے نہ پائیں گی جدا
ہم ہیں اُس کے 'وہ ہمارے دل میں ہے

ہمسفر جو مل گئے تم راہ میں
اب مزا کیا خاک پھر منزل میں ہے

کیوں عدالت مانگتی ہے پھر ثبوت
کھوٹ ہی جب نیت عادل میں ہے

کام آکر ہی رہی اطیبؔ دعا
آج رحمت منزلِ نازل میں ہے

غزل

مئے کدے ماہتاب لگتے ہیں
جام سارے گلاب لگتے ہیں

سر سے پا تک شراب لگتے ہیں
مئے کی بوتل جناب لگتے ہیں

گُل کے موسم شراب انگوری
یہ تو تعبیرِ خواب لگتے ہیں

زندگی باب ہے سوالوں کا
گھونٹ مئے کے جواب لگتے ہیں

جن پہ امید تھی بھروسہ تھا
وہ بھی خانہ خراب لگتے ہیں

جب بھی لگتے ہیں زخم اس دل پر
ساقیا بے حساب لگتے ہیں

خالی بوتل یہ خالی پیمانے
مئے کشوں کو عذاب لگتے ہیں

مئے کا رشتہ ہی ایسا ہے اطیبؔ
سارے رشتے خراب لگتے ہیں

غزل

نہیں ہے آساں غزل کا لکھنا سنو میاں
کہو نہ اپنی کہا ہمارا سنو میاں

سخن وروں سے سخن سنو تو نشہ چڑھے
نہیں ہے کوئی نشہ ہی ایسا سنو میاں

جو بات کہنے میں ہے قباحت اسے بھی تم
بلا تکلف غزل میں لکھنا سنو میاں

قبول کرنا بھلی کوئی جو صلاح دے
کبھی نہ دیکھو ہے کون کہتا سنو میاں

جو خواب سب کو دکھا رہے ہو اسی کی تم
ہمیں بھی تعبیریں کچھ دکھانا سنو میاں

نئی زمینیں نئی ردیفیں ملیں اگر
قوافی تم بھی تلاش کرنا سنو میاں

وہ حالِ دل سے ہے خوب واقف ذرا اُکو
لئے پھرو نہ یہ خالی کاسہ سنو میاں

وہ ہے شہنشاہوں کا' شہنشا نہ بھولنا
کہ یاد اس کو کرو ہمیشہ سنو میاں

بچا سکو تو بچالو اطیبؔ اِسے ذرا
زبانِ اردو ہے اک اثاثہ سنو میاں

غزل

تو ہے میری زندگانی، میں ہوں تیری زندگانی
ہے ہمارا ربط ایسا کہ ہو، پیاس اور پانی

مرے کرب کی رِدا پر نہ لگاؤ داغِ مرہم
ہے یہی میرا اثاثہ ہے یہی میری نشانی

گئی رُت میں ایسا الجھا نہ سلجھ سکا میں اب تک
وہ سنا رہا ہے مجھ کو کوئی پھر نئی کہانی

یہ اجل کے تذکرے اور یہ ابد کی داستانیں
انہیں چھوڑ کر سناؤ کوئی تم نئی پرانی

ہوئی بات کیا نہ جانے ملی کیسی تجھ کو خوشیاں
ترے عہدِ پیری میں پھر چلی آئی ہے جوانی

غزل

میں خود ہی زد پہ کھڑا ہوں تیرے نشانے کی
مجھے صلاح نہ دے آج لوٹ جانے کی

میں مانتا ہوں عطا زندگی خدا نے کی
مگر یہ زیست حسیں آپ کی وفا نے کی

میں مصلحت سے کبھی کام ہی نہیں لیتا
میں سچ کا عادی ہوں عادت ہے سچ بتانے کی

نہیں ہے اس سے زیادہ کوئی بڑا ظالم
قبول کرتا ہے جو ٹھوکریں زمانے کی

میں خوب جانتا ہوں دوست کے تغافل کو
مگر ہے مجھ میں بھی 'خو' دوستی نبھانے کی

تمہارے آتے ہی رونق بھی آگئی گھر میں
نہیں ہے اب مجھے حاجت دیا جلانے کی

غزل

ہر ہر نفس جو ایک نیا انتشار ہے
اِس دورِ پر خطر میں یہی تو بہار ہے

کہتے ہیں جس کو پیار وہ اک اعتبار ہے
اِس اعتبار ہی سے ہر اک کاروبار ہے

ہر ضرب تیری کاری ہے بھرپور وار ہے
پچھتا رہو نگا ساتھ مرے گرد گار ہے

گل چیز کیا ہے آپ پہ گلشن نثار ہے
جانِ بہار آپ سے دل کا قرار ہے

سانسوں کی ٹھن گئی ہے ہواؤں سے دیکھئے
کیسے جئیں گے لوگ فضا میں غبار ہے

اچھائی آج کوئی بھی اپناتا ہی نہیں
یہ بھی جناب میری طرح بے دیار ہے

شاید نقاب رخ سے الٹ دی ہے یار نے
پھیلی ہوئی جو رنگ برنگی بہار ہے

غزل

توڑ کر دل کو مرے مجھ کو مناتے کیوں ہو
اپنے جلوؤں سے مری آس بندھاتے کیوں ہو

بے قراری مرے دل میں کبھی پہلے تو نہ تھی
چھین کر چین مرا مجھ کو ستاتے کیوں ہو

گر تمنا ہے میرے شانوں پہ سر رکھنے کی
دور سے ہاتھ دکھاتے ہوئے جاتے کیوں ہو

حالِ دل مجھ کو سنانے کے لئے آئے ہو
کچھ ہے کہنے کی جو خواہش تو چھپاتے کیوں ہو

دیکھ کر مجھ کو جو شرما گئے کیا بات ہوئی
کچھ کہو' ہاتھوں سے چہرے کو چھپاتے کیوں ہو

تم تو آتے ہی یہ کہتے ہو کہ جانا ہے مجھے
تم کو جانا ہی جو ہوتا ہے تو آتے کیوں ہو

ماجرا کیا ہے کوئی پوچھے تو اطیبؔ ان سے
اِس طرح مجھ کو حسیں خواب دکھاتے کیوں ہو

غزل

ذوق میرا مرا کردار میرے سامنے ہے
میرا مونس، مرا غمخوار، میرے سامنے ہے

چین کی سانس میں لوں گا بھی تو کیسے لوں گا
نفرتوں کا ہے جو بازار مرے سامنے ہے

پہلے دشوار سفر اور زمیں تھی بنجر
اب تو ہر راستہ ہموار مرے سامنے ہے

میں بکاؤ تو نہیں ذات میں اپنی ضم ہوں
اک زمانے سے خریدار مرے سامنے ہے

لے لیا جان مری دل پہ مسلط ہو کر
وہ جو پروردۂ اغیار مرے سامنے ہے

غزل

حوصلہ مل گیا چراغوں کو
کیا بجھائے ہوا چراغوں کو

تھام کر ہاتھ روشنی کا وہ
طاق میں رکھ گیا چراغوں کو

غم کے زینے پہ ٹیک کر ماتھا
کس نے روشن کیا چراغوں کو

تیرگی اوڑھے پھر رہی ہے انا
ساتھ رکھ لو ذرا چراغوں کو

پانے والے تو پاگئے منزل
دوش دیتا ہے کیا چراغوں کو

دشتِ امید سے صدا آئی
پھر جلا پھر جلا چراغوں کو

رات کے انتظار میں اطیبؔ
شام ہی سے جلا چراغوں کو

غزل

کتنے غمگین ہیں تہوار ذرا غور کریں
بک رہا ہے جو اب ایثار ذرا غور کریں

آج کیوں آپ کی آنکھوں میں لہو ہے اترا
دیکھنے کے ہیں یہ شہکار ذرا غور کریں

ایک سے بڑھ کے ہوا ایک مسیحا کا شکار
سب کے سب ہو گئے بیمار ذرا غور کریں

دیکھنے والوں نے پائی ہے غضب کی نظریں
برف میں بھی ہے اک انگار ذرا غور کریں

ان اصولوں کی نظر میں تو ہے دنیا بے کار
چھوڑ کر اپنے وہ اطوار ذرا غور کریں

کیوں نہ ہو اپنی امارت پہ امیروں کو غرور
جھک رہا ہے جو یہ فنکار ذرا غور کریں

دیکھئے رکھے ہیں ہر موڑ پہ اطیبؔ کیسے
سرِ بے جسم کے انبار ذرا غور کریں

غزل

سماعتوں میں جہاں لفظِ کُن فکاں گزرا
ہر ایک شئے میں اسی دم شعورِ جاں گزرا

نظر سے جب بھی مری منظر زیاں گزرا
جنوں سے آگے خرد کا مری دھواں گزرا

تری زبان سے نفرت کا تیر جو نکلا
شگاف کر کے سماعت میں ناگہاں گزرا

دعائیں مانگ رہا تھا میں جس کے آنے کی
مرا سلام بھی اس شخص کو گراں گزرا

ہتھیلیوں کی لکیروں میں اب بھی روشن ہے
وہ ایک چہرہ جو بن بن کے رازداں گزرا

تم آنے والے نئے وقت کو کرو بس میں
گزرنا تھا جسے وہ وقت تو میاں گزرا

تلاشِ یار نے کیا کیا نہ خاک چھنوائی
ترا گمان بھی اطیبؔ کہاں کہاں گزرا

غزل

رہتی ہے ان پر نظر آٹھوں پہر
جاری ہے اپنا سفر آٹھوں پہر

ہے تھکا ماندہ جنوں، رستہ دھواں
پھر بھی منزل پر نظر آٹھوں پہر

ٹہنی ٹہنی بٹ گئیں صدیاں تو کیا
تازہ دم شاخ و شجر آٹھوں پہر

رات کے احساس سے محروم ہے
ذہن میں زندہ سحر آٹھوں پہر

تیرا محسن ہے رگِ جاں سے قریب
تو نے ڈھونڈا ہے کدھر آٹھوں پہر

آب و دانہ ہے تری فرقت کا غم
تازہ ہے زخمِ جگر آٹھوں پہر

جس پہر اطیبؔ سے ملنا طے ہوا
لگ رہا ہے وہ پہر آٹھوں پہر

غزل

(محاوروں پر مشتمل)

اس کہاوت میں جان ہے پیارے
"جان ہے تو جہان ہے پیارے"

اس سے ہٹ کر ہے کیا دلِ معصوم
خواہشوں کی دکان ہے پیارے

گھر کی مرغی کو دال کہتے ہیں
دال کا کتنا مان ہے پیارے

سانچ پر آنچ آ نہیں سکتی
اب تو یہ اک گمان ہے پیارے

کم سے کم داد دے اشاروں سے
تیرے منہ میں جو پان ہے پیارے

فکر کر دارِ غیر فانی کی
عارضی یہ مکان ہے پیارے

بے کماں تیر پر ہے تو نازاں
پاس میرے کمان ہے پیارے

اس کا پکوان ہے بہت پھیکا
وہ جو اونچی دوکان ہے پیارے

آسماں سے گرا تو جا اٹکا
گیا کھجوروں کی شان ہے پیارے

ہم سے لینا نہ بھول کر لوہا
اپنے بازو میں جان ہے پیارے

وقت جاتا ہے بات رہتی ہے
سب کے منہ میں زبان ہے پیارے

خادمانِ ادب میں ہے اطیبؔ
یہ بھی مولا کی شان ہے پیارے

غزل

بوئے الفت میں مہکتا سا رہا تاج محل
باغ میں پھول کی مانند کِھلا تاج محل

عزم سچا ہو تو منزل ہی چلی آتی ہے
خواب میں شاہ جہاں کے جو رہا تاج محل

تو اثاثہ ہے مرا اور ترے ملنے پر
ہے ارادہ کہ بناؤں گا نیا تاج محل

تم بھی ممتاز نہیں اور نہ میں شاہ جہاں
کیسے بن پائے گا بولو تو بھلا تاج محل

میں پرستش کا تو قائل نہیں اطیبؔ ورنہ
ساری دنیا میں حسیں مجھ کو لگا تاج محل

غزل

عکس ہیں عکسِ دیوار و در آئینے
ہیں کسوٹی بھی اکثر مگر آئینے

بستی بستی نگر اور نگر آئینے
آنکھ والوں کو ہیں دیدہ ور آئینے

حسن کے حق میں ہیں معتبر آئینے
ہیں بھلے رہنما راہ بر آئینے

اپنی پہچان کا ہے سفر آئینے
کیا بتائیں گے زخمِ جگر آئینے

آج کل حالِ انسانیت دیکھ کر
ہو گئے شرم سے تر بہ تر آئینے

ان پہ موسم کا کوئی اثر ہی نہیں
سہ پہر آئینے دوپہر آئینے

ان کے چہرے نکھرتے نہ اطیبؔ کبھی
آئینے جو نہ ہوتے اگر آئینے

غزل

اس کا حسین چہرا رچ بس گیا ہے مجھ میں
وہ دور کیا رہے گا رچ بس گیا ہے مجھ میں

ہر حال میں وہ میرا میں ہوں زمین اس کی
معصوم سا وہ پودا رچ بس گیا ہے مجھ میں

بادل گھنیرے جھک کر مانگیں سیاہی مجھ سے
آنکھوں کا تیری کجرا رچ بس گیا ہے مجھ میں

موسم کی پہلی بارش مٹی کی سوندھی خوشبو
آنکھیں لڑانا تیرا رچ بس گیا ہے مجھ میں

چمپا چنبیلی جوہی ، گیندا گلاب پھیکے
زلفوں کا تیری گجرا رچ بس گیا ہے مجھ میں

تحلیل ہو گیا وہ سانسوں میں میری اطیبؔ
خوشبو کا قافلہ تھا رچ بس گیا ہے مجھ میں

غزل

غم کی دنیا اُداس ہے اب کے
تیرے آنے کی آس ہے اب کے

تجربہ آگیا ہے مجھ میں بھی
وہ بھی دنیا شناس ہے اب کے

جسمِ نازک پہ زندگانی کے
بے حسی کا لباس ہے اب کے

وہ تو ہر روز مجھ سے ملتا ہے
پھر بھی اک دل میں پیاس ہے اب کے

جو ہمیشہ انا کا تھا قائل
وہ سراپا سپاس ہے اب کے

جو بہت دور دور رہتا تھا
وہ بہت پاس پاس ہے اب کے

وہ جو الھڑ سی کل تھی دوشیزہ
درد سے روشناس ہے اب کے

زہر اگلیں نہ کل وہی اطیب
جن لبوں پر مٹھاس ہے اب کے

غزل

دوست میں فرق ہے نہ دشمن میں
پڑ گیا ہوں عجیب الجھن میں

وہ ملا تھا جو پچھلے ساون میں
اب بھی اس کا خمار ہے تن میں

پاؤں آنگن میں اس نے کیا رکھا
آگئی ہے بہار آنگن میں

کھل رہے ہیں گلاب پلکوں پر
سو رہا ہے شباب چلمن میں

عکس تیرا وہاں ابھر تا ہے
دیکھتا ہوں جہاں میں درپن میں

پائے نازک سے وہ ادھر آئے
انقلاب آگیا ہے جیون میں

چوڑیاں جو کھنک گئیں ان کی
شور سا مچ گیا ہے دھڑکن میں

پھول چاہت کے بانٹ کر یارو
خار لایا ہوں اپنے دامن میں

سج سنور کر کھڑا ہے وہ اطیبؔ
پھول پھیکے پڑے ہیں گلشن میں

غزل

تو غم بھی دے اگر تو ترے غم میں کیا نہیں
ہے وہ خوشی حرام جو تیری عطا نہیں

رحمت تری بلاتی رہی مجھ کو بار بار
لیکن یہ اور بات کہ میں نے سنا نہیں

تجھ سے کرم کی بھیک ہی مانگی ہے اے خدا!
میرے لبوں پہ اور تو کوئی دعا نہیں

سینے میں ہیں بسی ہوئی تیری تجلیاں
مجھ میں ترے علاوہ کوئی دوسرا نہیں

مشکل ہے کیا جو بخش دے میرا گناہ تو
میرا گناہ تیرے کرم سے بڑا نہیں

اس کی نظر نظر نہیں، دل اس کا دل نہیں
وہ آدمی جو تیری طرف دیکھتا نہیں

اس سر کو سرفرازی بھلا کس طرح ملے
جس سر پہ رحمتوں کا تری آسرا نہیں

جو لذتیں بسی ہیں کلام مجید میں
اطیبؔ کسی زبان میں وہ ذائقہ نہیں

غزل

اک انقلاب ایسا بھی دنیا میں لائیں ہم
اپنی انا کے کفر کو خود توڑ پائیں ہم

محفل میں ہم سے پوچھ لے گر خیریت کوئی
داغِ جگر دکھائیں کہ آنسو بہائیں ہم

ٹھوکر بہت لگاتے رہے ہم کو حادثات
آؤ بھی حادثات کو ٹھوکر لگائیں ہم

سر پر سوار سودا تو اس کے جنوں کا ہے
عقل و خرد کا راز اسے کیا بتائیں ہم

پہلے پہل ملی ہے یہ سوغاتِ غم ہمیں
دل کہہ رہا ہے جشنِ عنایت منائیں ہم

ہم اس پہ جان دیتے ہیں یہ جانتے ہیں سب
اپنی طرف سے اور اسے کیا بتائیں ہم

اطیبؔ نہ مل سکے گی اماں دو جہان میں
ممتا سے آج فیض اگر کچھ نہ پائیں ہم

غزل

جلتا رہا چراغ جو اپنی انا کے ساتھ
لڑتا رہا لڑائیاں تنہا ہوا کے ساتھ

سانسوں پہ آپ اپنی بھروسہ نہ کیجئے
جانے کہاں یہ توڑدیں رشتہ ہَوا کے ساتھ

پودا ہمارے غم کا ہمیشہ ہرا رہا
الجھا کریں نہ آندھیاں غم آشنا کے ساتھ

ہرچند تو قریب نہیں ہے تو کیا ہوا
تصویر تیری رکھتا ہوں دل میں سجا کے ساتھ

شہرت کی آرزو میں نہ عزت گنواؤ تم
منزل کی دھن ہے گر' تو چلو رہنما کے ساتھ

خوشیوں کے ناز مجھ سے اٹھائے نہیں گئے
یارب نبھا رہا ہوں غمِ دیرپا کے ساتھ

دل کیا ہے جان مانگو میں دیدوں گا شوق سے
اطیبؔ سے بات کیجے مگر اک ادا کے ساتھ

غزل

زہر موسم میں ہے کیوں پھیلا ہوا
گُل سے بڑھ کر خار کا رتبہ ہوا

کیوں تعاقب میں لگے ہو وقت کے
وقت دنیا میں بھلا کس کا ہوا

عارضی ہے جگمگاہٹ یہ سبھی
درد کا دریا ہے اک بہتا ہوا

درد کا احساس ہوتا تھا جسے
وہ ضمیرِ زندہ آخر کیا ہوا

جس کو سینچا تھا بہت ہی پیار سے
پھول وہ حق میں مرے کانٹا ہوا

بوجھ لگتی ہے یہ تاریکی بہت
دیپ الفت کا رکھو جلتا ہوا

درد کے طوفاں جو اطیبؔ آ ملے
آنسوؤں کا کرب ہے ٹھیرا ہوا

غزل

رسمِ وفا کو یونہی نبھاتے چلو ذرا
روٹھے ہوئے صنم کو مناتے چلو ذرا

بر آئے یا نہ آئے کبھی سوچنا نہ تم
لَو آرزو کی اور بڑھاتے چلو ذرا

تیرہ شبی سے آنکھ چرانا گناہ ہے
دل ہو کہ دیپ کچھ تو جلاتے چلو ذرا

پگڈنڈیاں خموش ہوائیں رُکی رُکی
سُر ہو کوئی بھی گیت سناتے چلو ذرا

اس ریگ زار پر بھی چمن کا گمان ہو
خارِ وفا کو دل میں چھپاتے چلو ذرا

اطیبؔ عطا میں اس کی کمی ہی نہیں کوئی
تشنہ لبی کو اپنی بجھاتے چلو ذرا

غزل

دلدلی ہے یہ کوچہ نہ آ
اس قدر بے محابا نہ آ

خواہشوں کے جہاں کی طرف
اے نقیبِ زمانہ' نہ آ

مستی شامِ غم پوچھنے
فرطِ حیرت میں ڈوبا نہ آ

اے مسیحائے وقت آ ادھر
ہاں مگر بے مداوا نہ آ

بن کے تعبیر آ جانِ من
لے کے خوابوں کی دنیا نہ آ

کر حفاظت خودی کی مگر
بیچ کر یہ اثاثہ نہ آ

اک تماشہ ہے خود زندگی
کر کے کوئی تماشہ نہ آ

دل مرا دے رہا ہے صدا
تیری مرضی ہے آ' یا نہ آ

دوش پر لے کے اطیبؔ کبھی
خواہشوں کا جنازہ نہ آ

غزل

سنگِ مرمر کا کوئی تاج بنا رکھا ہے
یوں محبت کا جواں اپنی نشہ رکھا ہے

اک وفا سے ہی محبت میں مزا ہے سارا
ہم نے یہ پیڑ تو ہر رت میں ہرا رکھا ہے

آنکھ مِل جائے کسی اور سے ممکن ہی نہیں
دیدہ و دل میں اسے میں نے بٹھا رکھا ہے

موج در موج نظر آئے وہی اک چہرہ
میں نے ہر لہر میں ارمان چھپا رکھا ہے

کیسے چہرے سے عیاں ہو گی یہ دل کی حالت
میں نے چہرے پہ ہنسی کو جو سجا رکھا ہے

لوگ حیراں ہیں پریشاں ہیں مسرت کے لئے
اور اطیبؔ نے ترا درد سجا رکھا ہے

غزل

سورج کی زد سے دور ہے دریا کوئی نہیں
کس منزلِ مراد میں صحرا کوئی نہیں

وہ اک نگاہِ ناز کی جنبش نے گھر کیا
ورنہ دلِ غریب کو بھاتا کوئی نہیں

ترکِ تعلقات کو مدت ہوئی مگر
یادیں تو مہرباں ہیں تنہا کوئی نہیں

وحشت زدہ تمام ہیں ذرے زمین کے
بے رنگ سی فضاء میں تمنا کوئی نہیں

وہ ایک گُل جو شاخ سے ٹوٹا ابھی ابھی
اس کے سوا پسند مجھے تھا کوئی نہیں

زخمی ہر ایک پھول کا ماتھا یہاں ہوا
گُل چیں ہے گُل ہے کانٹا ہے رُسوا کوئی نہیں

اطیبؔ تپش پہ ناز ہے صحرا کو اس گھڑی
ہم ننگے پاؤں چلتے ہیں سایا کوئی نہیں

غزل

جسم سے روح کو کب میں نے جدا رکھا ہے
تجھ کو سانسوں میں مری جان چھپا رکھا ہے

تیری آمد کی خوشی لے کے سرِ راہ کھڑے
اپنی آنکھوں کے چراغوں کو جلا رکھا ہے

خانۂ دل مرا ویران ہو ممکن ہی نہیں
تیری یادوں کو جو مہمان بنا رکھا ہے

تو جو آجائے تو مل جائے گی منزل مجھ کو
لمس کی آس نے احساس جگا رکھا ہے

اُس کے گاؤں میں خود بھیس بدل کر اطیبؔ
جلوۂ یار سے آنکھوں کو سجا رکھا ہے

غزل

جگر کو تھام لینا چاہتا ہوں
خوشی بے دام لینا چاہتا ہوں

سماعت کو طہارت دیجئے گا
وفا کا نام لینا چاہتا ہوں

فنا ہو کر محبت میں تمہاری
بڑا اکرام لینا چاہتا ہوں

چھلکتے ہوں جو آنکھوں سے تمہاری
کچھ ایسے جام لینا چاہتا ہوں

وفا کے بدلے تو بھی تو وفا کر
یہی انعام لینا چاہتا ہوں

ترے قدموں میں رکھ کر ہر مسرت
ترے آلام لینا چاہتا ہوں

ترے جاتے ہی یاد آتی ہے تیری
جو میں آرام لینا چاہتا ہوں

سحر سے بس یہی کوشش ہے میری
حسیں تر شام لینا چاہتا ہوں

پھلیں پھولیں جہاں جذبات اطیبؔ
وہیں آرام لینا چاہتا ہوں

غزل

یہ مانا کہ شاخِ محبت ہری ہے
مگر زرد پتوں میں وہ چھپ گئی ہے
یہ عقدہ ہے کوئی نہ اب راز ہی ہے
یہاں غم کی ہستی خوشی سے بڑی ہے
نہ مانگو تو ملتی کہاں روشنی ہے
دلوں میں سمائی ہوئی تیرگی ہے
کھنڈر لگ رہے ہیں جو سارے مناظر
نگاہوں میں صورت تیری بس گئی ہے
بھلا کیا بگاڑے گی صحرا کی حدّت
ترا ساتھ ہے تو سفر شبنمی ہے
ہوں اعمال اچھے تو مرنے کا کیا غم
اِدھر زندگی ہے اُدھر زندگی ہے
اسی کے لئیے میں نے چھوڑی تھی دنیا
وہی آج میرے لئیے اجنبی ہے
میں روکوں گا کیسے تجھے جانے والے
تیرا فیصلہ گر یہی آخری ہے
کرائے کی خوشیاں ٹکیں گی نہ اطیب
چلو دائمی بے کسی ہی سہی ہے

غزل

عزم ہارا نہ پاؤں سے چھالے گئے
تیری چاہت کے سارے اجالے گئے

چھین کر میری فکرِ رسا لے گئے
کیا قیامت ہے مجھ سے وہ کیا لے گئے

دفترِ زعم اک پارسا لے گئے
ہم وسیلہ فقط آپ کا لے گئے

اپنی خواہش سے بھی وہ سوا لے گئے
میری مُسکان مجھ سے چرا لے گئے

دے کے مجھ کو دغا جو وفا لے گئے
میرے جینے کا وہ آسرا لے گئے

جان و دل مانگتے نذر کرتا انھیں
لینے والے تو مجھ سے دعا لے گئے

تھا سہارا تسلّی کا وہ بھی گیا
دل دکھا دے گئے دل دکھا لے گئے

دل کے ایواں میں اطیبؔ نے رکھی تھی جو
وہ بھی تصویر ہو کر خفا لے گئے

غزل

نہ پھل نہ پھول نہ سایہ نہ کچھ ہوا دے گا
درخت سوکھا ہوا کچھ تو تجربہ دے گا

انا کو خاک میں جو شخص خود ملا دے گا
بلندیوں پہ وہ ہستی کو اپنی لا دے گا

مرے شعور کو جو حادثہ جگا دے گا
وہ کامیابی کی منزل مجھے دکھا دے گا

جو پاؤں توڑ کے بیٹھے گا اس کو کیا دے گا
دلاوروں کو زمانہ بھی راستہ دے گا

اُس ایک لمحے کا ہے انتظار صدیوں سے
مرے وجود کو جو روشنی میں لا دے گا

اگر اٹھے گا غلط راستے پہ تیرا قدم
ترا ضمیر صدا پر تجھے صدا دے گا

خلوصِ دل سے اگر مانگ لے گا تو اطیبؔ
تو آرزوؤں سے بڑھ کر تجھے خدا دے گا

غزل

فکر و فن کو جگا گیا کوئی
بات بگڑی بنا گیا کوئی

قتل ہو کے بھی خوش ہوئے ہم تو
اپنا وعدہ نبھا گیا کوئی

دھندلے دھندلے ہیں آج تک منظر
خاک ایسی اڑا گیا کوئی

میں وہی خاکی آدمی ہوں مگر
حرفِ تازہ بنا گیا کوئی

میرے عصیاں کو در گزر کر کے
اپنا رتبہ بڑھا گیا کوئی

پھر فضاؤں میں چیخ گونجی ہے
اس جہاں سے چلا گیا کوئی

جس کو سر سے اتارا اطیبؔ نے
وہ بھی احساں جتا گیا کوئی

غـــزل

کیا شکایت کریں چراغوں سے
ہار جائیں اگر ہواؤں سے

وصل کی آرزو نکلتے ہی
وہ ہوا منحرف وفاؤں سے

اتنے عادی ہیں ہم اندھیروں کے
ڈر سا لگتا ہے اب اجالوں سے

دیکھو نیرنگیٔ جہاں لیکن
لوٹ آؤ نکل کے خوابوں سے

جس سے امید تھی جوابوں کی
خود پریشاں تھا وہ سوالوں سے

گر ہو خود کو سنوارنا اطیبؔ
سیکھ اپنی ہی کچھ خطاؤں سے

غزل

تمہارے لمس کی خوشبو سے جو معطر ہے
پھر اس کے سامنے کیا چیز مشک و عنبر ہے

جو فیض یاب ہے دنیا میں ماں کی ممتا سے
وہی تو اصل میں اس دور کا سکندر ہے

تمہارے دور کے پتھر تھے آئینے لیکن
ہمارے دور کا آئینہ بھی مکدر ہے

فقیر آج بھی قائم ہے اپنے مسکن پر
امیرِ شہر بھٹکتا اگرچہ در در ہے

تمہاری یاد کے جگنو چمک رہے ہیں ابھی
فضائے قلب و نظر اس لئے منور ہے

اجالے بانٹنے آیا تھا وہ جو ظلمت میں
اسی کا نام زمانے میں اب سکندر ہے

ہماری روح کو مجروح کر نہ دے اطیبؔ
انا کے ہاتھ میں فرعونیت کا خنجر ہے

غزل

ہر فریب آج سچ کی صورت ہے
پھر عمرؓ کی ہمیں ضرورت ہے

جو چھڑی ہے یہ جنگ طبقاتی
ساری دنیا ہی محوِ حیرت ہے

عزمِ محکم یقینِ پیہم ہو
پیش و پس آدمی کی فطرت ہے

جھوٹ کہتا نہیں کسی صورت
آئینے! خوب تیری فطرت ہے

لوگ حیرت سے دیکھتے ہیں مجھے
آج کیا ایسی مجھ میں جدّت ہے

شیخ اعراف میں پڑے ہیں ابھی
رند کب سے اِرم کی زینت ہے

رنگِ دنیا عجیب ہے اطیبؔ
پیار، نفرت، جفا، محبت ہے

غزل

یاد ان کی جو سرِ شام صدا دیتی ہے
میری تنہائی کو اک رنگ نیا دیتی ہے

جو محبت سے ملے اس کو صلہ دیتی ہے
مصلحت کوش کو دنیا بھی سزا دیتی ہے

دولت علم ہی وہ چیز ہے دنیا والو
آدمی کو بھی جو انسان بنا دیتی ہے

ان کی تصویر تصور میں ابھرتی ہے جہاں
پیاس نظروں کی مری اور بڑھا دیتی ہے

دشمنی پر جو اتر آتی ہے دنیا کی ہوا
اور تو کچھ نہیں الزام لگا دیتی ہے

لڑکھڑاتا ہوا رکتا ہوں سرِ راہ اگر
میری منزل مجھے آواز لگا دیتی ہے

لے نہ ڈوبے کہیں شہرت کی تمنا اطیبؔ
اڑنے والوں کو یہ پرواز بھلا دیتی ہے

غزل

اتنا جواب ڈھونڈ رہا ہوں سوال کا
اس کو ملال کتنا ہے میرے ملال کا

بدلی سے تاکنا تمہیں چھپ کر ہلال کا
گویا کوئی شریک تھا ہجر و وصال کا

اک میں ہی کیا دیارِ محبت میں جانِ جاں
ہر شخص ہم خیال ہے تیرے خیال کا

کافی ہے ایک پل ہی تباہی کے واسطے
رکھنا ہے کیا حساب مہینے کا سال کا

کہدو اسے کہ اک نئی دنیا بسائے وہ
عادی نہیں ہے جو کوئی رنج و ملال کا

دنیا ٹکی ہے آس پہ امید تو بھی رکھ
رہتا نہیں ہے وقت ہمیشہ زوال کا

اطیبؔ چرا کے جاتا ہے نظریں وہ اس طرح
جیسے میں کوئی نقش ہوں خواب و خیال کا

غزل

ظلمت کدے کو میرے درخشاں کئے ہوئے
تیری نظر ہے دل کو خیاباں کئے ہوئے

طوفان میرے عزم سے ٹکرا نہ پائے گا
بیٹھا ہوں میں جو حق کو نگہباں کئے ہوئے

غربت سے خوف کھاتے ہیں ایسے غریب سب
باطل ہے حق کو جیسے پریشاں کئے ہوئے

آتی ہے نیند بس مجھے تیری پناہ میں
رکھا ہے تجھ کو میں نے رگِ جاں کئے ہوئے

طوفاں کی رات ڈھلتے ہی ہوگی نئی سحر
اطیبؔ چراغِ دل ہے فروزاں کئے ہوئے

غزل

جلد بازی خراب ہوتی ہے
عمر بھر کا عذاب ہوتی ہے

جھوٹے سِکّوں میں اشرفی سچ کی
قابلِ انتخاب ہوتی ہے

تم چلے آتے ہو دبے پاؤں
آنکھ جب محوِ خواب ہوتی ہے

ڈھانکتی ہے اسے قبائے جنوں
جب خرد بے حجاب ہوتی ہے

وقت کی دھوپ میں تری صحبت
جگمگاتا سَراب ہوتی ہے

اپنی اولاد کے لئے ممتا
اک مقدس کتاب ہوتی ہے

شبِ غم یادِ رفتگاں اطیبؔ
جلوۂ ماہتاب ہوتی ہے

غزل

لے کے پیغامِ دل نشیں آتا
کاش خود ہی وہ شرمگیں آتا

درد بن کر جو دل میں رہتا ہے
دل سے باہر وہ کیوں نہیں آتا

خود سنورتے سنوارتے گھر کو
اس کے آنے کا گر یقیں آتا

اب تو پھولوں کا آ گیا موسم
کیوں وہ وعدے پہ اب نہیں آتا

نیند آتی تو خواب بھی آتے
وہ حسیں جسمِ مرمریں آتا

اس کے شکوے بجا اگر ہوتے
لے کے دل وہ حزیں، حزیں آتا

کیا سوالوں کا دوں میں تیرے جواب
بات ہوتی جو خود یہیں آتا

پار ہوتے بھنور سے ہم اطیبؔ
آسماں برسرِ زمیں آتا

غزل

الجھا ہر آدمی ہے اسی اک سوال میں
پنہاں عروج بھی ہے یقیناً زوال میں

ساغر میں کچھ ہے اور نہ جامِ سفال میں
جو کچھ نشہ ہے، ہے ترے حُسن و جمال میں

آخر کو کام آگئی اپنی انا بھی آج
شامل ہے اسکا ہاتھ خودی سے وصال میں

رہبر سا کام کرتے ہیں منزل کے آس پاس
لمحے تمہاری یاد کے شہرِ وبال میں

آنکھوں میں کچھ نہیں ہے مری تاج کی بساط
رکھا ہے تم کو میں نے دلِ بے مثال میں

سیرت سے بات بنتی ہے سیرت کی بات کر
رکھا نہیں ہے کچھ بھی تو حسن و جمال میں

اطیبؔ انہیں پسند ہے شاید اسی لئے
شامل ہمارا خون ہے رنگ اور گلال میں

غزل

نظر میں حور و پری ' مہر و ماہتاب نہیں
ترے سوا تو مرا اور انتخاب نہیں

حسیں وہ نیند نہیں جس میں کوئی خواب نہیں
وہ راہ راہ نہیں ' تو جو ہم رکاب نہیں

جہاں خیال نہ ٹھیرے جہاں نظر نہ رکے
کتابِ جسم میں ایسا تو کوئی باب نہیں

کرے وہ بات تو کیا کیا نہ پھول جھڑتے ہیں
کنیر' چمپا' چنبیلی' نہیں گلاب نہیں

میں زندہ قوم کا جاگا ہُوا بشر ہوں سنو
فنا بقا پہ یقیں ہے میں محوِ خواب نہیں

جو تم نگاہ ملاتے ہوئے جھجکتے ہو
اَدائے نیچی نظر ہے کہ اس میں تاب نہیں

تمہارے ملتے ہی ہم کو تو مل گئی منزل
مسرتوں کا تو اطیبؔ کی کچھ حساب نہیں

غزل

کرب، آہیں، غم، تغافل، سوزِ مژگاں دیکھئے
ایک انساں کے لئے ہیں کتنے عنواں دیکھئے

وقت سے پہلے بدل جاتے ہیں انساں دیکھئے
کہہ رہے ہیں درد کو بھی آج درماں دیکھئے

ماں نے ممتا کے وسیلے سے جو مانگی ہے دعا
ہر طرف چھانے لگا ہے ابرِ باراں دیکھئے

عکس ان کا دے رہا ہے آئینے کو زندگی
یک بہ یک اڈا ہوا قطرے میں طوفاں دیکھئے

جس طرح یہ چاند اپنی چاندنی کھوتا نہیں
زندہ رکھتا ہے کچھ ایسے فن کو فن داں دیکھئے

چاہ میں دنیا کی یا پھر مال و زر کی حرص میں
ڈگمگائے گا نہ ہرگز اپنا ایماں دیکھئے

میری خواہش کو مقدم رکھ رہے ہیں آج کل
کر رہے ہیں مجھ پہ وہ احساں پہ احساں دیکھئے

روٹھنے سے فائدہ کیا برہمی اچھی نہیں
جانِ جاناں، جانِ جاناں، جانِ جاناں دیکھئے

عزمِ اطیبؔ نے کیا جب حادثوں کو سرنگوں
آنکھ مل کر دیکھتا ہے اس کو طوفاں دیکھئے

گیت

میرے پیارے وطن میرے پیارے وطن
تجھ پہ قربان کر دوں میں تن اور من

میری آنکھوں کا بس تو ہی اک خواب ہے
سر بہ سر جس کی تعبیر نایاب ہے
ذرہ ذرہ ترا سبز و شاداب ہے
تو محبت کے رشتوں کا اک باب ہے

سنگِ مرمر سا پیارا ہے تیرا بدن
میرے پیارے وطن میرے پیارے وطن
تجھ پہ قربان کر دوں میں تن اور من

کوئی ہندو ہے کوئی مسلمان ہے
اپنا اپنا دھرم اپنا ایمان ہے
کوئی نردھن ہے اور کوئی دھنوان ہے
پیار جس میں نہ ہو کیا وہ انسان ہے

تجھ میں پلتی ہے تہذیبِ گنگ و جمن
میرے پیارے وطن میرے پیارے وطن
تجھ پہ قربان کر دوں میں تن اور من

خوبصورت نظاروں کا یہ دیس ہے
کتنی دلکش بہاروں کا یہ دیس ہے
جگمگاتے ستاروں کا یہ دیس ہے
قدرتی آبشاروں کا یہ دیس ہے

کتنی پیاری لگے ہے تری انجمن
میرے پیارے وطن میرے پیارے وطن
تجھ پہ قربان کر دوں میں تن اور من

حُسن چھن چھن کے لیتا ہے انگڑائیاں
نو بہاروں کی بجتی ہیں شہنائیاں
جب بھی چلتی ہیں پُر کیف پروائیاں
چار سو جگمگاتی ہیں رعنائیاں

موہ لیتا ہے دل کو ترا بانکپن
میرے پیارے وطن میرے پیارے وطن
تجھ پہ قربان کر دوں میں تن اور من

شان وشوکت ہے دنیا میں تیری عیاں
کیا قلم کی زباں سے کروں میں بیاں
کہہ رہی ہے میری دھڑکنوں کی زباں
بات تجھ میں جو ہے اور ہو گی کہاں

تو خوشی کا نگر تو ہنسی کا چمن
میرے پیارے وطن میرے پیارے وطن
تجھ پہ قربان کر دوں میں تن اور من

تیرے پیکر میں ہے درد کی روشنی
تیرے دامن سے لپٹی ہوئی ہے خوشی
تیری بانہوں میں ہے اک نئی چاشنی
تو ہے سورج مرا میں ہوں سورج مکھی

تیرا گرویدہ ہے میرا تن اور من
میرے پیارے وطن میرے پیارے وطن
تجھ پہ قربان کردوں میں تن اور من

تیرے منظر ہمیں کر گئے دیدہ ور
سارے شہروں سے پیارا ہے اپنا نگر
تیرے دامن کی زینت ہیں علم و ہنر
دشمنوں کی اسے لگ نہ جائے نظر

ہے سخن در سخن ماورائے سخن
میرے پیارے وطن میرے پیارے وطن
تجھ پہ قربان کردوں میں تن اور من

جھیل جھرنے سمندر ندی کھیتیاں
یہ بہاریں، نظارے، حسیں وادیاں
پھول، تتلی، شفق، اور یہ گل کاریاں
ٹھنڈی ٹھنڈی پون کی ہیں رعنائیاں

تو ہے چمپا، چنبیلی، کا کیوڑے، کا بن
میرے پیارے وطن میرے پیارے وطن
تجھ پہ قربان کردوں میں تن اور من

آج فرقوں میں کیوں بٹ گیا آدمی
ایک پل میں ہوا کیا سے کیا آدمی
کل سمجھتا تھا خود کو بھلا آدمی
آج نفرت میں ہے مبتلا آدمی

آج سینوں میں پلتی ہے کیوں یہ جلن
میرے پیارے وطن میرے پیارے وطن
تجھ پہ قربان کردوں میں تن اور من

وہ اجنتا ایلورہ کے منظر حسیں
سنگِ مرمر کا اک تاج ہے دلنشیں
جس کا ثانی نہیں ہے جہاں میں کہیں
آسماں بھی جھکاتا ہے اپنی جبیں

دیکھ کر جن کو ہوتی ہے دنیا مگن
میرے پیارے وطن میرے پیارے وطن
تجھ پہ قربان کردوں میں تن اور من

تیرے آنچل کے سائے میں پلتے ہیں سب
مہر والفت کے سانچے میں ڈھلتے ہیں سب
تھام کر تیری انگلی کو چلتے ہیں سب
دیکھ کر حسن تیرا بہلتے ہیں سب

چاندنی بن گئی ہے ترا پیرہن
میرے پیارے وطن میرے پیارے وطن
تجھ پہ قربان کردوں میں تن اور من

مکہ مسجد بھی ہے چار مینار ہے
گولکنڈہ بھی ندیا کے اُس پار ہے
اک طرف برلا مندر کا پرچار ہے
آج اطیبؔ یہ کہنے کو تیار ہے

روح کا تیری حصہ ہے میرا دکن
میرے پیارے وطن میرے پیارے وطن
تجھ پہ قربان کردوں میں تن اور من

نظم .....قلی قطب شاہ کی نذر

مانوس اِس طرح ہوں دکن کی زمین سے
بہلے گا کیسے دل مرا، ایران و چین سے
یہ شہرِ سنگ یوں تیرا آنکھوں کو بھا گیا
رشتہ کسی مکان کا ہو جیسے مکین سے

○

تاریخ بن گئی ہے ادائیں جناب کی
جن سے مہک ہے ہند میں باقی گلاب کی
مانا کہ وہ خلوص کا پیکر نہیں ہے اب
رونق ہے شہر کی اسی پردہ نشین سے

○

اک بحرِ بے کراں ہے سمندر سروں کا ہے
انساں بہت ہیں کال یہاں پر گھروں کا ہے
لوگوں سے تیرا شہر تو معمور ہو گیا
تو نے دعا ہی کی تھی کچھ اتنے یقین سے

○

کہنے کو ہر بہار میں پودے ہرے ہوئے
لگتے نہیں ہیں پیڑ ثمر سے بھرے ہوئے
چھائی ہوئی ہے کیسی تعصب کی یہ فضاء
اُونچا کوئی بھی اٹھتا نہیں ہے زمین سے